نقطۂ نظر

جمہوریت اور مرزا قادیانی کی نبوت

پروفیسر خالد شبیر احمد

مرزا قادیانی کی نبوت کی طرح ہماری جمہوریت بھی جھوٹی ہے۔ جس طرح آنجہانی مرزا غلام قادیانی نے دین اسلام کا نام لیکر اسلام کے ہر بنیادی عقیدے کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے ملت اسلامیہ میں ایک نئے فتنے کی بنیاد رکھی۔ دین کے خلاف ایک مکروہ، گھناؤنی اور ناپاک جسارت کی ہے بالکل اسی طرح ہمارے سیاست دانوں نے جمہوریت اور عوام کے نام پر ڈھونگ رچا کر عوام کا ستیاناس کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ جمہوری حکومت اور عوامی حکومت، کی رٹ اب کانوں میں رس گھولنے کی بجائے دل و دماغ میں زہر گھولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ عوامی حکومت کا دعویٰ عموماً ایسی حکومتیں کرتی ہیں جن کے دور حکومت میں عوام ذلیل ور سوا ہو کر رہ گئے ہوں۔ آج ہر طرف قتل و غارت، لوٹ مار، ڈاکہ زنی، فراڈ دھوکا، اقرباء نوازی، کوٹہ پروری، لا قانونیت، ظلم و ستم، مفلوک الحالی، طوائف الملوکی، غربت، افلاس، دھونس دھاندلی اور رشوت کا بازار گرم ہے۔ لوگ پریشان حال ہیں اور حکمران مست اور مخمور۔ نشے میں چور، جیسے ان کے دل و دماغ سے احساس زیاں ہی جاتا رہا ہو۔ ایک مہذب، تعلیم یافتہ اور شریف النفس شہری دن رات یہی سوچتا رہتا ہے کہ اس شرافت، تعلیم، اور اس تہذیب نے اسے کیا دیا ہے؟ ہر سہولت جو ایک مہذب اور آزاد معاشرے میں ایک شہری کا بنیادی حق ہوتا ہے۔ اس کی دسترس سے باہر ہے۔ معاشرے میں اس کی عزت نہیں، دفاتر میں اس کے ساتھ برا سلوک ہوتا ہے، عدالت میں اسے انصاف نہیں ملتا۔ سکول اور کالجوں میں اس کے بچوں کے داخلے بند ہیں، ملازمت نہیں ملتی بلکہ بکتی ہے۔ سفر کے دوران اسے سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ سڑکیں تباہ حال، گڑھے پھرے ہوئے، گلیاں و بازار غلاظت سے اٹے پڑے ہیں، دھواں، گرد و غبار کا طوفان ہے جو راہ چلتے شہریوں کا حال اجیرن کر دیتا ہے۔ پینے کا پانی میسر نہیں۔ بجلی کی لوڈشیڈنگ ناک میں دم کئے رکھتی ہے۔ ٹیکس اور دوسرے بل جمع کرانے کے لئے اسے صبح سے شام تک لائن میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ کیا یہی جمہوری معاشرہ ہے۔ کیا اسی کو عوامی حکومت کہتے ہیں۔ جس حکومت میں عوام ذلیل ور سوا ہو کر رہ جائیں اسی حکومت کو عوامی اور جمہوری کہتے ہیں۔ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے پریشانی کے عالم میں عام شہری اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیتا ہے اور بے اختیار اس کے لبوں پر یہ الفاظ آجاتے ہیں۔ یا اللہ میں کس عذاب میں مبتلا ہو گیا ہوں۔ یہ کیسی بستی ہے کہ جہاں زندگی ترستی ہے۔ یہ کیسا جہانِ بے اماں ہے کہ جہاں پر کسی کی شنوائی نہیں ہے۔ بے درد افسران، بے روح علماء اور بے اصولے سیاست دانوں میں گھرا ہوا شہری سوچ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب ڈوب جاتا ہے اور پکار اٹھتا ہے۔

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خون دل
بے دست وپا کو دیدۂ بینا نہ چاہیئے

یہ سب کچھ اس وقت ہوتا ہے جب سیاست بھی اجناس خوردنی کی طرح مہنگی ہو جائے۔ جہاں انتخاب سے پہلے ٹکٹ بکتے ہوں، جہاں انتخاب میں کروڑوں روپے ضائع کر دیئے جاتے ہوں، جس معاشرے میں گھر سے پارلیمنٹ تک پہنچنے میں خرچ ایک کروڑ روپے سے بھی تجاوز کر جائے۔ وہاں کون مائی کا لال حلال کمائی سے انتخابی اخراجات کو پورا کرے گا۔ حرام کی کمائی جب وسیلہ اقتدار ٹھہرے تو پھر سیاست دانوں اور رہنماؤں سے اخلاص، ایثار، ہمدردی، انصاف، شعور، کی توقع رکھنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ جب سیاسی اخراجات کو پورا کرنے کے لئے کالے دھندے اختیار کئے جاتے ہوں تو پھر سیاست، سیاست نہیں رہتی کاروبار ہو جاتی ہے بلکہ اس سے بھی آگے کوئی مکروہ قسم کی شے.... کہ تجارت کے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں لیکن ہماری سیاست کا کوئی اصول نہیں۔ یہی سبب ہے کہ خود سیاست دان بکاؤ مال ہیں۔ جو زیادہ بولی لگائے اسی کے ہاتھ بک جاتے ہیں۔ کوئی موقف، کوئی مشن، کوئی اصول اُن کے ہاں نہیں ہے۔ ہر جائز و ناجائز طریقے سے اقتدار تک پہنچنا ان کی زندگی کا مقصد ہے۔ جب دولت اور اقتدار کی حرص قوم کے سر کردہ افراد کی شناخت بن جائے تو پھر غربت اور تنگ دستی ننگی ہو کر نہیں ناچے گی تو اور کیا ہو گا۔ اب تو ہماری دو ہی خوبیاں رہ گئیں ہیں۔ دولت کی حرص اور دولت کی نمائش، جنسی بے راہروی تو اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ جہاں لوگ راتوں رات کروڑپتی بن جاتے ہوں۔ وہاں لڑکیوں کا اغواء، زنا، جوا، شراب، ننگا ناچ، تہذیب و ثقافت کے نام پر جنسی بے راہروی نہیں ہو گی تو اور کیا ہو گا۔ ایسے معاشرے میں آزادیٔ نسواں کے نام پر عورتوں کی بے حرمتی نہیں ہو گی تو اور کیا ہو گا۔ عورت کی آزادی کا نام لینے والوں نے عورت کو ذلیل اور رسوا کر دیا ہے۔ آج عورت چوراہے پر لٹکتی ہوئی نظر آتی ہے کسی کارخانے دار کی کوئی چیز نہیں بکتی جب تک کہ عورت کا اشتہار اس کے ساتھ نہیں۔ حتیٰ کہ پان والے کے پان اور سگریٹ والے کے سگریٹ بھی نہیں بکتے جب تک اس کی دکان پر ایک خوبصورت عورت کی تصویر آویزاں نہیں ہے۔ یہ جمہوری، عوامی معاشرے ہیں عورت کا مقام و مرتبہ ہے اور یہی جمہوری معاشرے کے وہ ثمرات ہیں جس پر تم نازاں ہو۔ تمہارے بارے میں تو اب یہی کہا جا سکتا ہے۔

کورمغیوں نے نوچ ڈالی ہے قبائے رہبری
سائلوں کے ہاتھ سے جمشید و قیصر لٹ گئے۔

حکمرانو! سیاست دانو! ہوش میں آؤ، شرم سے کام لو، خدا کا خوف کرو کہ خدا کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ دیکھو جب خدا کا غضب نازل ہوتا ہے تو پھر روس جیسی عظیم سلطنت بھی پاش پاش ہو کر رہ جاتی ہے۔ روس کے ٹوٹنے پر اتنی بھی آواز نہیں آئی جتنی شیشے کے گلاس کے ٹوٹنے پر آتی ہے۔ جب کہ ہماری

حیثیت پانی کے بلبلے سے زیادہ نہیں ہے ہم اس عارضی زندگی کے لئے اتنے لالچی ہوگئے ہیں کہ دائمی زندگی تباہ کر رہے ہیں۔ اسی کا نام جہالت ہے۔ ہم اپنے تئیں خواہ کتنے ہی پڑھے لکھے ہوں ہم سے بڑا جاہل دھرتی پر کوئی نہیں، جس علم اور جس تعلیم پر ہم ناز کرتے ہیں اس نے اخلاق و کردار کا ایک ایک جوہر ہم سے چھین لیا ہے کہ ہم اب ایک چلتی پھرتی لاش کے سوا کچھ نہیں۔ انسانیت کے نام پر بدنما داغ، ایک مکروہ دھبہ، جو شاید اب دھونے سے بھی نہ دھل سکے۔ یہ سب قیادت کا قصور ہے۔ قومیں اچھی قیادت سے بنتی ہیں اور بری قیادت سے تباہ ہوتی ہیں۔ حکمرانو! انسان بنو، فرعون بننے کی کوشش نہ کرو۔ بڑی سے بڑی شخصیت خدا کے سامنے بے بس اور بے اختیار ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ نمرود جیسی شخصیت مچھر جیسے کمزور اور حقیر چیز سے ذلیل و رسوا ہو کر رہ گئی۔ کیا حکمران اور قائدین یہ سمجھتے ہیں کہ عوام کی طرح خدا کو بھی دھوکا دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تم نے کونسا ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ آتے جاتے حج اور عمرے پر چلے جاتے ہو، تمہاری یہ جسارت، یہ جرأت کہ اپنے سیاہ کارناموں سمیت اس دربار پہ بھی حاضری دینے سے نہیں ہچکچاتے کہ جہاں بایزید بسطامی اور جنید بغدادی جیسے تقدس مآب بھی بے دم ہو جایا کرتے تھے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

تمہارے اقتدار میں مظلوموں کی آہوں اور بے سہاروں کی چیخ و پکار خدا اور اس کے محبوب حضور سرور کائنات ﷺ کے دربار میں سنی جاتی ہیں۔ وہ سب سنتے ہیں وہ سب جانتے ہیں۔ تم اپنے آپ کو دھوکا دے سکتے ہو، اپنے خدا کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ اس کے ہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں ہے۔ تم نے اپنے مفاد کے لئے قوم کو تباہی کے کنارے لاکھڑا کیا ہے۔ تم نے ڈاکوؤں سے زیادہ بنکوں کو لوٹا ہے۔ تم نے نوجوان نسل کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ تم نے طالب علموں کے ہاتھوں سے قلم چھین کر اس کی جگہ کلاشنکوفیں تھما دی ہیں۔ تم نے تعلیمی ماحول کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ کہ تم دن رات خوشامدیوں کے درمیان گھرے رہتے ہو۔ دن رات انگوٹھا لگانے والے تمہارے اردگرد رہتے ہیں۔ خوشامدیوں اور بے ضمیر لوگوں کے اثرات تم پر نمایاں ہیں۔ تم خود خوشامدی ہو گئے ہو، تم خوشامد کے بازار سے گذرتے ہو اور صرف خوشامد خریدنے کے عادی ہو، نہ تم اختلاف رائے برداشت کر سکتے ہو اور نہ ہی تنقید۔ تمہارا اپنا اختلاف اور تمہاری اپنی تنقید برائے اختلاف اور برائے تخریب ہوتی ہے۔ جس میں تعمیر کا کوئی پہلو بھی پیش نظر نہیں ہوتا۔ تمہاری جمہوریت میں آمریت کا کروفر موجود ہے، تم شہنشاہوں سے بڑھ کر عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہو، تم جمہوریت کے دعویدار ہونے کے باوجود سٹالن اور ہٹلر کی زبان میں گفتگو کرنے کے عادی ہو چکے ہو۔ تمہارے اپنے دامن ہر قسم کی آلودگیوں سے آلودہ ہیں۔ اس پر تمہیں جمہوریت کا بھی دعویٰ ہے۔ جس کے

حق میں تم ایک دلیل بھی نہیں دے سکتے، تمہاری جمہوریت سراسر فریب، سر سے پا جھوٹ اور ڈھونگ ہے۔ مہذب بدمعاشی اور آمریت کا دوسرا نام جمہوریت ہے۔ تم صرف بشارتیں بکھیرتے ہو، صرف دعوے کرتے ہو، زبانی کلامی تم بہت کچھ ہو، عملی میدان میں تم کچھ بھی نہیں ہو۔ تمہیں صرف آئینے کے سامنے کھڑے ہونے کا شوق ہے کہ آئینہ تمہارا ظاہری کروفر نمودونمائش دکھاتا ہے۔ تم خوش ہو جاتے ہو۔ خوبصورت لباس، اچھا ناک نقشہ، ظاہری رکھ رکھاؤ، دیکھ کر مست رہنے والو! کبھی اپنے ضمیر کے آئینے میں بھی جھانک کر دیکھو۔ وہاں تمہیں اپنی اصل حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ تمہاری حکومت، عوام کی حکومت ہے کہ نہیں۔ آئینہ خود بول اٹھے گا کہ یہ عوام کی حکومت نہیں ہے خواص کی حکومت ہے۔

"خواص کی حکومت، خواص کے ذریعے، خواص کے لئے"

یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تمہاری سیاست اب شتر بے مہار ہو گئی ہے۔ اس سیاست پر کوئی قدغن نہیں رہی، تمہاری سیاست اب ایک ایسے سرکش گھوڑے کی مصداق ہے جس کے منہ میں کوئی لگام نہیں ہے۔ ایسے گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر منزل مقصود تک پہنچنے کی توقع عبث ہے۔ اس کے منہ میں دین کی لگام ڈالو کہ اس کے بغیر تمہاری نجات ممکن نہیں ہے۔ یہ ہماری سیاست نہیں ہے، اگر ہے تو اس کا سرا امریکہ و برطانیہ کے کفار و مشرکین کے ہاتھ میں ہے۔ ہماری سیاست ہمارے دین کی مظہر ہوتی ہے۔ جس سیاست سے دین کا کوئی تعلق نہ ہو وہ سیاست ہماری سیاست نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری سیاست، ہماری جمہوریت، چنگیزیت ہے، کفر ہے۔

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشہ ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

(بقیہ از صفحہ ۳۱)

علاوہ ازیں ایک اور قرار داد کے ذریعے قدیم احرار کارکن جناب محمد حسین لون کی وفات پر اظہار تعزیت کیا گیا۔ مرحوم نے بھی ۱۹۳۱ء کی تحریک کشمیر میں بڑی جانفشانی سے کام کیا تھا۔
آخر میں ان کے لئے بھی دعاء مغفرت کی گئی اور لواحقین کے لئے صبر کی دعا کی گئی۔
اجلاس میں حاجی محمد اشرف ناظم مجلس احرار اسلام گوجرانوالہ، مرزا عبدالغنی صاحب، چودھری محمد انور صاحب، حکیم عبدالجبار صاحب، غلام نبی بٹ صاحب، محمد عمر اور شاہد معظم نے شرکت کی۔

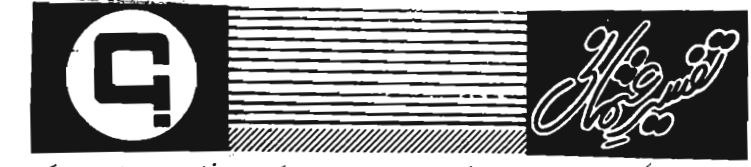

نمود و نمائش نے ہمارے معاشرے کو ایک سرطان میں مبتلا کر رکھا ہے۔ فیشن نے ایک کہرام مچا رکھا ہے۔ پیسہ ہمارے معاشرے کا سنگھار بن چکا ہے اور ہر طرف پیسے کا طواف ہو رہا ہے۔ مقابلہ بازی نے لوگوں کا سکون غارت کر رکھا ہے۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ میرے گھر کی دیوار دوسرے کے گھر سے اونچی ہو۔ ہر کوئی خواہش رکھتا ہے کہ سوسائٹی میں ہر مقام پر اس کی ناک دوسرے کی ناک سے اونچی ہو۔ جھوٹی عزتیں بنانے کے لیے کیا کیا جتن کیے جاتے ہیں۔ حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی ہے اور اس تمیز کے اٹھنے سے ایک طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوا ہے، جس نے پورے معاشرے کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ رسم و رواج کے پھندوں سے ہمارے دم گھٹ رہے ہیں۔ متوسط طبقہ چکی کے پاٹوں کے درمیان پس رہا ہے اور بڑی تکلیف سے حیات مستعار کے دن کاٹ رہا ہے۔

معین باری بھی ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ ایف۔ اے تک تعلیم پائی تھی، لیکن چار سال نوکریوں کے پیچھے بھاگنے کے باوجود اسے نوکری نہ ملی۔ جب چار سال نوکریوں کے لیے درخواستیں لکھ لکھ کر اس کے ہاتھ تھک گئے تو اس نے محلہ میں عیاری کی دکان کھول لی اور زندگی کی گاڑی کو دھکا لگانے لگا۔ عرصہ آٹھ سال وہ دکان کرتا رہا، لیکن بڑی مشکل سے گھر کا گزارہ چلتا۔ اس دوران وہ چار بیٹیوں اور ایک بیٹے کا باپ بن چکا تھا۔

ایک دن اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ معین! ابھی تو جوانی ہے اور بچے چھوٹے ہیں۔ تم پانچ سات سال باہر لگا آؤ اور محنت مشقت سے ایک معقول رقم اکٹھی کر لو اور پھر پاکستان لوٹ کر کوئی اچھا سا کاروبار سیٹ کر لینا۔ اس سے ہم بچیوں کی شادیوں سے بھی سبکدوش ہو جائیں گے۔ معین باری بیوی کی ناصحانہ گفتگو سن کر فکر کے سمندر میں غوطہ زن ہو گیا اور ایک سرد آہ بھرتے ہوئے بیوی سے کہنے لگا کہ بات تو تمہاری ٹھیک ہے اور اس کے ساتھ ہی اس نے خود کو ذہنی طور پر باہر جانے کے لیے تیار کر لیا۔ پھر اس دن کا سورج طلوع ہو گیا، جب معین باری اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر جہاز میں بیٹھا دوبئی جا رہا تھا۔ دوبئی اسے اس کے ایک دوست نے بلایا تھا اور اس نے ایک پرائیویٹ فرم میں اس کی ملازمت کا انتظام بھی کر دیا تھا۔

پاکستان میں تو وہ دن میں ایک دو نمازیں پڑھ لیا کرتا تھا، لیکن پردیس میں پہنچ کر خدا زیادہ یاد آنے لگا